ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خاں سائل

(۷)

(از جناب مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب واصف دہلی)

بدنصیب واصف کی آنکھوں کے سامنے سے وہ منظر بھی گذرا ہے کہ وہی ہزاروں کے اجتماع میں بغیر لاؤڈ اسپیکر کے گرجنے والا شیر ۱۹۴۲ء میں کتب خانہ رحیمیہ پر رونق افروز ہے ضعف ونقاہت کی وجہ سے سرنگوں ہے اختلاج قلب سے کبھی کبھی بے قراری ہو جاتی ہے۔ اتنے میں حضرت مفتی صاحب تشریف لاتے ہیں فوراً مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھتے ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب! چند اشعار کہے ہیں اگر حکم ہو تو عرض کروں۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں ارشاد فرمایئے۔ نحیف اور درد انگیز آواز میں چند اشعار سناتے ہیں:۔

انھیں جان کر رنج وغم جانتا ہوں عنایت کو ان کی ستم جانتا ہوں
محن سے ہوں واقف الم جانتا ہوں گراں جاں ہوں یہ کم سے کم جانتا ہوں
حقیقت جو عشق ومحبت کی پوچھے کم از کم یہ کہہ دینا لازم ہے اس سے
زبوں تر ہیں معنی واوصاف اس کے ازاں جملہ اک چشم نم جانتا ہوں
رہ عشق والفت میں جو گامزن ہے وہ ہمدوش آفات رنج ومحن ہے
ہر اک منزل اس کی کٹھن پرفتن ہے میں اس کی ہوا زہر وسم جانتا ہوں
ابھی بحر غم میں ہے دل کو ڈبونا ابھی اشک حسرت سے ہے منہ کو دھونا
ابھی ٹھوکروں کا ہے اس رہ میں رونا کہ آگے کی منزل اہم جانتا ہوں
کرے گا نشانہ خطا تیر زن تو جھپکنے نہ دے دیدۂ سحر فن تو

مژہ راست کرمان میرا سخن تو میں اس نیر میں تیرے خم جانتا ہوں
بدایت ہے بھولا ہوا سا فسانہ ہوں قیدِ نشیب و فراز زمانہ
رہا ہوں تو ہے اور آگے بھی جانا حقیقت نہایت کی کم جانتا ہوں
نہ پوچھو کہ تدبیر چلنے کی کیا کی فقط دیر باقی ہے امرِ خدا کی
ضرورت نہیں رہبر و رہنما کی کہ میں راہِ ملکِ عدم جانتا ہوں
در پیر میخانہ کا ہوں گدا میں وہیں کھاتا پیتا ہوں اس کا دیا میں
وہیں دیتا رہتا ہوں سائل صدا میں اسے اہل بذل و کرم جانتا ہوں

۱۹۳۵ء میں جبکہ نواب صاحب محلہ فراش خانہ میں حکیم عبدالرشید خاں کے مکان میں کرائے پر رہتے تھے ایک روز بازار میں کسی جگہ راقم الحروف کو دیکھ کر پکارا۔ اور فرمایا حضرت آرزو لکھنوی آئے ہوئے ہیں آج شام کو تم کھانا میرے ساتھ کھالینا۔ میں نے عرض کیا بسر و چشم! شام کو در دولت پر حاضر ہوا۔ جناب آرزو لکھنوی سے نیاز حاصل ہوا۔ استاد مرحوم نے تعارف کرایا فرمایا کہ یہ میرا ہونہار شاگرد ہے اور مرشدزادہ ہے۔ کھانے سے قبل جناب آرزو اپنا کلام سناتے رہے آپ نے اپنی اس خصوصیت کا اظہار فرمایا کہ میں فارسی عربی کے الفاظ سے بچ کر کہتا ہوں۔ اس مجلس میں انھوں نے اپنی پانچ چھ غزلیں سنائیں ان میں عربی فارسی کے الفاظ بالکل نہ تھے بھاشا سے نکلی ہوئی خالص اردو تھی۔ باوجود اس کے تخئیل کی بلندی، مضامین کی شگفتگی زبان کی فصاحت و دلفریبی بدرجہ اتم موجود تھی۔

سائل صاحب کا مذہب اور سیاسی مسلک | سائل صاحب اہل سنت والجماعۃ اور خالص حنفی مسلمان تھے حضرت شاہ دلدار علی مذاق شاگرد وذوق مرحوم سے آپ کو بیعت تھی۔ مگر غلو نہ رکھتے تھے اور اور متصوفانہ بے تعصبی کے حامل تھے۔ ایک روز فرمایا کہ میں تفضیلی سنی ہوں۔ میں نے عرض کیا تفضیلی سنی سے کیا مراد ہے۔ تفضیل تو شیعیت کی ایک شاخ ہے۔ فرمایا کہ میں حضرت علیؓ کو اصحاب ثلثہ پر فضیلت دیتا ہوں میں نے عرض کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اصحاب ثلثہ رضوان اللہ علیہم پر

فضیلت دینے کا اختیار آپ کو کس نے دیا نیز یہ کہ سنی ہو کر آپ تفضیلی کیسے بن سکتے ہیں یا تو یہ کہئے کہ میں تفضیلی شیعہ ہوں یا کہئے کہ میں پکا سنی ہوں یہ دو رخی بات کیسی ؟ مذہب اہل سنت میں تمام علماء کا اتفاق اس امر پر ہے کہ خلفائے راشدین کا تفضل ان کی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔ فرمایا کہ بھئی میں اپنے آپ کو شیعہ کہنے کے لئے تو تیار نہیں ہوں میں نے عرض کیا کہ مغلوں کے زمانے میں ہندستان پر ایرانیوں کا اس قدر غلبہ رہا کہ امورِ سلطنت میں بھی دخیل رہے اور رشتہ داریوں کی وجہ سے معاشرت پر بھی چھائے ہوئے تھے۔ اس کا اثر مذہبی رجحانات پر پڑنا لازمی تھا۔ پرانے پکے سُنی بھی ڈگمگا گئے اور تبرائی شیعہ نہیں تو کم از کم تفضیلی بن گئے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کا قول بھی اسی تاثر کی وجہ سے ہے۔ پھر میں نے کچھ تفصیل سے بعض پہلو مدلل طور پر گوش گذار کیے۔ فرمایا کہ اب میرا شبہ دور ہو گیا واقعی میں غلطی پر تھا یہ محض ایک رسمی چیز تھی ورنہ درحقیقت استاد مرحوم پکے سُنی تھے اور انھوں نے بارہا مجھ سے فرمایا ہے کہ "ہمارے اسلاف نے یزید پر لعنت بھیجنے سے منع کیا ہے یہ فعل ہمارے مسلک کے خلاف ہے"

سیاسی مسلک کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہ رجعت پسند تھے نہ انتہا پسند بلکہ معتدل تھے ان کا خاندان نواب احمد بخش کے زمانے سے سرکار انگریزی کا وفادار رہا ہے۔ نواب احمد بخش خاں کا زمانہ وہ زمانہ تھا جبکہ تمام ہندستان پر انگریز متسلط ہو چکے تھے اور تمام ملک کا نظم و نسق انگریزوں کے پنجہ استبداد میں آچکا تھا نواب احمد بخش خاں سے انگریزوں کے ذاتی مراسم اور دوستانہ تعلقات بھی تھے۔ ان کی خدمات کے عوض ان کو فیروز پور اور لوہارو کی جاگیریں بھی ملی تھیں ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے نواب شمس الدین احمد خاں ان کے جانشین ہوئے یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزوں کے تسلط و اقتدار اور تشدد و مظالم سے رعایا میں نفرت کے جذبات پیدا ہو رہے تھے اور اپنی جگہ پر ہر شخص اس غلامانہ زندگی سے اذیت محسوس کر رہا تھا۔ نواب شمس الدین احمد خاں کے متعلق انگریز مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ نہایت بدچلن اور فتنہ انگیز نواب تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سر ولیم فریزر سے جو اس زمانے میں دہلی کے ایجنٹ تھے نواب کی مخالفت ہو گئی تھی اور کہا جاتا ہے

کر سر ولیم فریزر کے قتل میں نواب کی اشتعالک تھی یہ انگریز مورخوں کی فطری عادت ہے کہ وہ آزاد خیال اور محب وطن انسان کو بد چلن اور فتنہ انگیز کے لفظ سے ہی یاد کرتے ہیں اور غدارانِ وطن کو نیک چلن، خوش اطوار، وفادار اور دنیا بھر کے مشفقانہ خطابات سے یاد فرمایا کرتے ہیں ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کو غدر کا لقب دیا جاتا ہے چنانچہ نواب شمس الدین احمد خاں کو ۱۸۳۵ء میں (یعنی ظل سبحانی بہادر شاہ ظفر کی تخت نشینی سے دو سال قبل) پھانسی دیدی گئی۔ انگریزوں کا اقبال اس قدر عروج پر تھا کہ نواب کا نام لینا بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ نواب بیچارا کس شمار میں تھا مغلوں پر جنہوں نے صدیوں ہندوستان پر شہنشاہی کی اور دنیا پر اپنے جاہ وجلال کا سکہ بٹھایا ایک زمانہ وہ آیا کہ آخری مغل بادشاہ پر بغاوت کا الزام لگا کر اسی کے لال قلعہ میں خود اسی پر مقدمہ چلایا جاتا ہے (کس پر؟ بادشاہ پر؟ بغاوت کا الزام! یا للعجب!) اور کون مقدمہ چلاتا ہے؟ سات سمندر پار کی ایک سوداگر قوم! اور کوئی شخص کہیں شارع عام پر بادشاہ کا نام تک لینے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ تمام ملک اور بالخصوص مسلمان بالکل مغلوب ہو چکے تھے۔ اس وقت کے لیڈروں اور زعمائے قوم نے مجبوراً یا تو گوشہ نشینی کی پالیسی اختیار کی یا تعاون کا مسلک پسند کیا کیونکہ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا ریاست نواب امین الدین احمد خاں کے خاندان میں منتقل ہو گئی تھی سائل صاحب کا خاندان ریاست سے منصب کا تعلق رکھتا تھا۔ اس وجہ سے بھی اور عام پالیسی کے ماتحت نواب ضیاء الدین احمد خان کی بھی تعاون کی پالیسی رہی۔ سائل صاحب بھی چونکہ اسی زمانے کے پرانے بزرگوں میں سے تھے ان کے رجحانات بھی وہی تھے۔ اگرچہ انھوں نے علانیہ تعاون کی پالیسی اختیار نہیں کی۔

غرضکہ سائل صاحب عملی طور پر سیاست میں کوئی حصّہ نہ لیتے تھے۔ بلکہ صاف بات تو یہ ہے کہ ان کو سیاست سے قطعاً کوئی دلچسپی ہی نہ تھی ۱۹۲۰ء کی تحریک کے زمانے میں انھوں نے ایک طویل ترجیع بند میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ جس میں سے کچھ اشعار درج ذیل کرتا ہوں:-

دعوے وفا کا جن کو ہے ہم سے سوا غلط ۔۔۔ سمجھے ہیں لوگ معنی حرفِ وفا غلط
بیڑا امید خلق کا کیوں کر نہ ہو تباہ ۔۔۔ جس کے سرے سے ہو گئے ہوں ناخدا غلط

جاں بر مریض ہو نہیں سکتا کسی طرح
جب اس کے چارہ گر لگے دینے دوا غلط

لیڈر وہ قوم کے ہیں جو ہیں تاج کے خلاف
مطلب یہ لیڈری کا ہے بے انتہا غلط

عمالِ تاج کیا کریں جز نظم حادثات
پاداشِ جرم جو ہو وہ کب ہے سزا غلط

جو مانگنا ہے مانگو جو کہنا ہے وہ کہو
اسلوب و طرز غیر ہے مقصود و مدعا غلط

خواہش جو ہے تمہاری ہماری بھی ہے وہی
ہم سے عمل کوئی نہیں سرزد ہوا غلط

منت سے مدعا کی کرو خواستگاریاں
ہاتھی پہ چڑھ کے مانگنا ہے ناروا غلط

مقصود ہے فلاح اگر قوم کی تمہیں
لازم ہے رکھنی ٹھیک خبر قوم کی تمہیں

افلاس کی نگاہِ عنایت ہے قوم پر
تم سے چھپی نہیں جو مصیبت ہے قوم پر

قحطِ معاش و قحطِ نکوئی و قحطِ رزق
قحطوں میں ہے گھری ہوئی حسرت ہے قوم پر

بے دولتی نے دیکھ لیا ہے غریب کو
ٹوٹی حیات میں یہ قیامت ہے قوم پر

حالانکہ قحط رزق ہے ہوتی ہیں دعوتیں
یہ مستحب ہے فرض ہے سنت ہے قوم پر

ہوتے ہیں انصرام جلوس فضول کے
رکھنا نہ باز جس سے شقاوت ہے قوم پر

دس لاکھ کی طلب ہے پئے صرف وفد ہند
چندے کے واسطے یہ ہدایت ہے قوم پر

سرگرمیاں ہوں جتنی مدارات کیلئے
ان لیڈروں کے واسطے منت ہے قوم پر

سیکھو سبق خلوص کے حسرت کی ذات سے
موہانی
پرہیز کرنا چاہئے اس واہیات سے

یا سادگی سے کیجے وفا قوم کے لئے
یا نیم شب کو دیجے دعا قوم کے لئے

لازم نہیں کہ نذر وہ رمال کی کریں
چوری سے چور کی جو بچا قوم کے لئے

فرمان ہائے سابق شاہی پڑھو ذرا
ان کی بنا پہ کیا نہ ہوا قوم کے لئے

اعلان تاجِ حال پہ بھی چاہئے نظر
منشا تمہارا اور ہے کیا قوم کے لئے

مقصد سے متفق ہیں عمل کے ہیں ہم خلاف تدبیر یہ نہیں ہے بجا قوم کے لئے
گاندھی کا قول یہ کہ تمدنی رہیں خلاف ظاہر میں گو مفید ہوا قوم کے لئے

یہ دیکھنا ہے رہتا ہے کب تک قرار اسے
سہو آ گئے ہندو کرتے ہیں یاد بندار اسے

دینی ہے اب تو دعوت امن و اماں ہمیں کرنا نہیں ہے وقت عبث رائیگاں ہمیں
کچھ عرض حال کرنا ہے تکلیف خلق کا مذکور جن کے ہوتے ہیں از بس گراں ہمیں
یہ تو ہماری ذات پہ گذری ہے واردات دہرانی جس کی پڑتی ہے اب داستاں ہمیں
ہڑتال کے عروج کا قصہ بیاں ہو گیا جس نے عطا کیا ہے غم جاوداں ہمیں
نور نگاہ لخت جگر شیر خوار پور کرنا پڑا زمین کے نیچے نہاں ہمیں
اک بوند بھی دوا کی نہ جس کو ہوئی نصیب ہڑتال کے یہ ذاتی ہوئے امتحاں ہمیں

مخلوق کی صعوبتیں جو گوش زد ہوئیں
بے حد و بے شمار ہوئیں لاتعد ہوئیں

جانیں بہت سی نذر ہوئیں اس خیال کی تا اینکہ نوبت آ چکی قتل و قتال کی
باغی خطاب پا چکے بے دست و پائے ہند ڈگری ہے اور باقی کوئی ابتذال کی
لندن میں ہے خلافت دینی کا وفد بھی حسرت تمام ہو لی جواب و سوال کی
ماضی پہ خاک ڈال کے ایسی ڈگر چلیں پیدا ہوں جس سے راہیں باہم اعتدال کی
مشکل نہیں ہے تاج سے کچھ رفع سوء ظن ٹونیں بدل لی جائیں اگر بول چال کی

ہو جائے گا سلوک رعایا و شاہ میں
تخفیف و فرق میں نہ کمی آئے جاہ میں

جلسہ مصالحت کا کوئی تم قرار دو آرائے عام لے کے شہنشہ کو تار دو
سطوت کو تاج کی رکھو ملحوظ وقت عرض دینا ہو جو پیام نہ وہ ناگوار دو

اپنے حقوق مثلِ رعایا طلب کرو — با شوق یہ کہو کہ ہمیں اختیار دو
معتوب ہیں جو تاج کے ان کے بنو شفیع — ان کی رہائی کے لئے دامن پسار دو
اس کی جزا نہ پاؤ تو پھر تم مجاز ہو
اب تو خدا کے واسطے عرضِ نیاز ہو[1]

ایک روز مجھ سے فرمایا کہ "بیٹا! درد میرے دل میں بھی اُٹھتا ہے مگر میں آہ بھی نہیں کرسکتا ایک دفعہ ایک نظم جامع مسجد میں پڑھ دی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوپر سے بڑی لتاڑ پڑی اور لینے کے دینے پڑ گئے اس وقت سے کان پکڑا کہ اب کوئی سیاسی نظم نہ کہوں گا"

استاد مرحوم نے جس نظم کی طرف اشارہ کیا ہے وہ وہ معرکۃ الآرا تضمین ہے جو انھوں نے مولانا شبلی نعمانی کی نظم پر جنگ بلقان کے زمانے میں کہی تھی۔ یہ تضمین سائل صاحب نے جامع مسجد دہلی کے ایک عظیم الشان جلسے میں سنائی تھی۔ لوگ دہاڑیں مار کر رو رہے تھے۔

دعائے عافیت مانگے گا دینِ خستہ جاں کب تک — مخالف گردشیں کرتا رہے گا آسماں کب تک
ستائے گا بنا اے کوکبِ نامہرباں کب تک — حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ کشتۂ محفل سے اُٹھیگا دھواں کب تک

بڑھے گر چار سو سے سوئے دامن آستیں پنجے — پکڑ کر گوشۂ دامن ستمگاروں نے گر کھینچے
رہے گی تاج و تختِ روم کی پھر آبرو کیسے — قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دئے پرزے
فضائے آسمانی میں اُڑیں گی دھجیاں کب تک

سُنے کوئی تو ہم اس سے کہیں بھی مدعا یہ ہے — مصیبت اپنے اوپر یہ بڑی ہے ماجرا یہ ہے
یہ دل میں درد پیدا ہو گیا ہے عارضہ یہ ہے — مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریضِ نیم جاں کب تک

یہ خیل مانٹی میدان سے جو بڑھتا آتا ہے — فشونڈا سر پہ اس شان سے جو بڑھتا آتا ہے

[1] واقعات دارالحکومت دہلی جلد اول صفحہ ۱۰۳

سحابِ جنبش اب یونان سے جو بڑھتا آتا ہے	یہ سیلابِ بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک

خبر ہے اپنے بیگانے ہیں کیا کیا دیکھنے والے	مرادِ غیر یا اپنی تمنا دیکھنے والے
کیے بیٹھے ہیں بند آنکھوں کو مانا دیکھنے والے	یہ سب ہیں رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر ان کو دکھائیگا شہیدِ خستہ جاں کب تک

یہ صوتِ درد ہے مرغوب ان کو کن کو بھاتی ہے	صدا ماتم کی دل خوش کن ہے انکے ان کو بھاتی ہے
یہی یہ رات کو سنتے ہیں یہ ہی دن کو بھاتی ہے	یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ ان کو سنائیگا یتیمِ ناتواں کب تک

کسی ترکیب سے آخر ہمیں معلوم کچھ ہو تو	کوئی ہمدرد اپنا ہو کوئی دلسوز اپنا ہو
تو اک پیغام پہنچانے کی ہم تکلیف دیں اسکو	کوئی پوچھے کہ اے تہذیبِ انسانی کے استادو
یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کب تک

سنائی کے نہ ہونے کی کہو تو انتہا تا کے	کیے جائے گا اک رنجور فریاد و بکا تا کے
ہوئے جائے گی اک مظلوم پر جور و جفا تا کے	یہ جوش انگیزیٔ طوفانِ بیداد و بلا تا کے
یہ لطف اندوزیٔ ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

ہماری بھی تمہاری بھی قضا اک روز آنی ہے	نہیں رہنے کی شے یہ جان تو اک وقت جانی ہے
سنا بھی تم نے یہ اتمام حجت کی کہانی ہے	یہ مانا تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کب تک

کبھی حالت کسی کی غیر گر تم نے نہیں دیکھی	مسلماں لاش بے سر پیہم گر تم نے نہیں دیکھی
دکھا تو دی تمہیں اب خیر گر تم نے نہیں دیکھی	نگارستانِ خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں تم کو زخمہائے خوں فشاں کب تک

بلاد و مصر کے فرماں ویراں چاہتیں تم کو	پٹے لاشوں سے کے کے میل میداں چاہئیں تم کو

یہ مانا گرمیٔ محفل کے ساماں چاہئیں تم کو کہو تو کتنے پُر گنتی میں زنداں چاہئیں تم کو
دکھائیں ہم تمہیں ہنگامۂ آہ و فغاں کب تک

کلیجے میں کوئی چٹکی سی لیتا ہے مسلتا ہے زباں سے حرف بھی گر قصۂ غم کا نکلتا ہے
یہ مانا قصۂ غم سے تمہارا جی بہلتا ہے ہمارے حال پر عالم کفِ افسوس ملتا ہے
مگر ہم کو سنائیں دردِ دل کی داستاں کب تک

غمِ جانکاہ ہے ہم کو ہماری نونہالی کا ہوا جاتا ہے قامت خم ہری سر سبز ڈالی کا
یہ مانا تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا ٹھکانا کیا تمہارے جورِ بیدادِ خیالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کب تک

کرو النسائیت کی بات بھی تم ہو اگر انساں جو دشواری ہماری ہے اسے سمجھے ہو تم آساں
عروسِ بخت کی خاطر تمہیں درکار ہے افشاں تم اپنی زیب و زینت کے نکالو اور کچھ ساماں
ہمارے ذرہ ہائے خاک ہوں گے زر فشاں کب تک

وگرنہ ہم کہاں اور انصرامِ فتحِ ایوبی قضا کے ہاتھ میں تھا انتظامِ فتحِ ایوبی
کہاں تک لو گے ہم سے انتقامِ فتحِ ایوبی نہ لو تیرہ صدی کے بعد نامِ فتحِ ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک

سمجھ کر یہ کہ بیمار و نزار و نیم جاں ہیں ہم سمجھ کر یہ کہ یورپ بھر کے اندر ناتواں ہیں ہم
سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہیں ہم سمجھ کر یہ گھڑی ساعت کے گویا میہماں ہیں ہم
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کب تک

بزرگوں کی نشانی تم میں باقی اک شجاعت ہے نہ بازو میں توانائی نہ تن میں تاب و طاقت ہے
زوالِ دولتِ عثماں زوالِ شرع و ملت ہے اسی سے کام لینا چاہئے یہ وقت ہمت ہے
عزیزو! فکرِ فرزند و عیال و خانماں کب تک

شجاعت دوسرے مفہوم میں بھی ہو دکھتی ہے بزرگوں کی نشانی تم میں باقی اک شجاعت ہے

یہاں موقع اسی کا ہے کہ دولت کی ضرورت ہے زوالِ دولتِ عثماں زوالِ شرع و ملت ہے
عزیزو! فکرِ فرزند و عیال و خانماں کب تک

سمجھ سے کام گر تم لو تو پھر دشواریاں کیا ہیں نہ سمجھو جان کو جب جان پھر ناچاریاں کیا ہیں
یہ چالیں کون سی چالیں ہیں یہ مکاریاں کیا ہیں خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

اگر شمشیرِ غازی کا دلِ مشرک سے ڈر اُٹھے تو سر کوبی کو اس کی گوشۂ عالم سے سر اُٹھے
نہ آئے وقت وہ یارب کہ بیٹھے خیر شر اُٹھے پرستاران خاکِ کعبہ دنیا سے اگر اُٹھے
تو پھر یہ احترامِ سجدہ گاہِ قدسیاں کب تک

کہ دجو ہوتا آیا ہے تمہارے جد و آبا سے لہو ان کا پیو جو ہیں تمہارے خون کے پیاسے
خدارا دولتِ عثماں کو مٹنے دو نہ دنیا سے جو گونج اُٹھے گا عالم شورِ ناقوسِ کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگ اذاں کب تک

تباہ اسلام کی دو دولتیں کیسی ہوئیں نامی سبب کیا تھا یہی نقصانِ ہمت عقل کی خامی
الٰہ العالمیں اس معرکے میں ہو نہ ناکامی بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی
چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

سوئے بیت المقدس رہزنوں کی تاراجیں ہیں کلیسا ہیں زیادہ، کم مقدس خانقاہیں ہیں
مسلمانوں کی ناصر ہیں تو خالق کی پناہیں ہیں حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جنگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کا آشیاں کب تک

کدھر ہم دل کے بہلانے کو زیرِ آسماں جائیں ملے آرام و راحت کی جگہ تو ہم وہاں جائیں
کہاں سائل بتاؤ چھوڑ کر ہندوستاں جائیں جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی ہم کہاں جائیں
کہ اب امن و امانِ شام و نجد و فیروزاں کب تک

(باقی آئندہ)